فکر و نظر..... اسلام آباد جلد: ۴۸ شمارہ: ۳

علم قراء ات کی تدوین و ارتقاء
(قراء ات کے ضوابط کے تناظر میں)

ڈاکٹر قاری تاج افسر☆

Abstract

The .Science of recitation was initially limited to pedagogy only. As per their capacity Sahaaba-i-kiram (razi Allah o anhum) used to note down the holy verses and their explanation pronounced by the Holy Prophet. But because of their far off journeys and gradual revelation of the Holy Quran, complete compilation could not be materialized. The first caliph Hazrat Abubakr compiled the Holy Quran. When the process of compilation of the related sciences and formation of the relevant rules started taking shape during the period of taabieen, the foremost science was that of Qira'at as it was related to the text of the Holy Quran. So its compilation started before 90 H. How did the science of Qira'at develop through different phases of history? In how many ways did the scholars of the Ummah contribute to it to bring it to culmination? What are the differences among various phases as per compilation? What are the criteria for judgment of a Qira'at? How were the Harf-i-Sab'ah transformed into Qira'at-i-Sab'ah? How did the number of these Qira'at rise from seven to twenty? How can we juxtapose Qira'aat-i-Sab'ah with Qira'at-i-Salasah to determine the status of the latter. These are the points to be explored in this paper. The development has been divided into four stages.

علم قراء ات آغاز میں درس و تدریس تک محدود تھا۔ صحابہ کرامؓ حسب استطاعت اپنے لیے حضورﷺ کی زبان اطہر سے سنی ہوئی آیات کریمہ اور ان کی تفسیر نوٹ کیا کرتے تھے لیکن ان کے دور دراز سفر کی وجہ سے اور قرآن حکیم کے بتدریج نزول کی وجہ سے مکمل تدوین عمل میں نہ لائی جا

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، کلیہ علوم اسلامیہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

سکی۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قرآن حکیم کو مدون کر دیا لیکن قرآن حکیم کے ساتھ متعلقہ علوم کی تدوین اور ان کے قواعد و ضوابط وضع کر نے کا عمل تابعین کے دور سے شروع ہوا تو دیگر علوم میں سرفہرست علم قراء ات تھا کہ اس کا تعلق متن قرآنی سے ہے۔ لہذا اس کی تدوین کا آغاز (۹۰ھ) سے پہلے شروع ہو گیا اس وقت سے لے کر متعدد مراحل کا سفر طے کرتے ہوئے علم قراء ات کا ارتقاء کس انداز سے ہوا، علماء امت نے کس کس انداز سے اس میں حصہ لیا یہاں تک کہ علم قراء ات تن آور درخت بنا۔ ان مراحل کا باہمی فرق تدوین کے اعتبار سے کیا ہے؟ نیز کسی قراء ت کی صحت کو پرکھنے کے کیا معیار ہیں؟ احرف سبعہ آئندہ دور میں کیسے قراء ا ت سبعہ بنے؟ نیز ان قراء ات کی تعداد سات سے دس کیسے ہوئی؟ واقعاتی اعتبار سے قراء ات سبعہ کے مقابلے میں قراء ات ثلاثہ کی حیثیت کیاہے؟ ان امور کو زیر نظر مقالے میں واضح کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے ارتقاء کو مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے۔

تدوین کا پہلا مرحلہ:
اختلاف لہجات عرب پر مشتمل اہم تصانیف

جب تابعین کا دور آیا تو قرآن حکیم کی تعلیم دور دراز تک پھیل چکی تھی۔ یہی وہ دور ہے جب تمام علوم کی تدوین کا آغاز ہو رہا تھا۔ لہذا قراء ات کی تدوین بھی شروع ہوئی تدوین کا پہلا مرحلہ وہ تھا جب لہجات عرب پر کتابیں لکھی جانے لگیں۔ کسی شیخ یا استاذ کی طرف نسبت نہیں تھی۔ جیسے یحیی بن یعمر العدوانی (۹۰ھ) نے "**کتاب فی القراء ة**" کے عنوان سے تالیف کی۔ جس میں اختلاف قراء ات کو مصاحف عثمانیہ کی کتابت کی روشنی میں واضح کیا کہ یہ قراء ت مصحف مدنی کے مطابق ہے یا مصحف مکی کے مطابق ہے وغیرہ۔ چونکہ علم قراء ات میں یہ پہلی کتاب تھی اس لیے ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کی کتاب "**السبعة**" کے منظر عام پر آنے تک علماء قراء ات کے لیے اساسی مرجع کی حیثیت رکھتی تھی۔ اسی طرح عبد اللہ بن عامر شامی (۱۱۸ھ) نے "**اختلاف مصاحف الشام والحجاز**" کے عنوان سے کتاب لکھی۔ شیبہ بن نصاح (۱۳۰ھ) نے "**الوقوف**" کے عنوان سے کتاب تصنیف کی۔ ابان بن تغلب کوفی (۱۴۱ھ) نے بھی قراء ات پر کتاب لکھی۔ مقاتل بن سلیمان (۱۵۰ھ) نے بھی "**کتاب فی القرا ء ات**" سے معنون کتاب لکھی۔ ان کے بعد زائدۃ بن قدامۃ الثقفی (۱۶۱ھ) نے بھی قراء ات میں ایک کتاب لکھی۔ ابو عمرو بصری (۱۵۴ھ) کے شاگرد خاص یحیی بن المبارک الیزیدی (۲۰۲ھ) نے ابو عمرو سے استفادہ کی گئی قراء ات کے متعلق معلومات پر مشتمل کتاب لکھی۔ خلف بن

ھشام (۲۲۹ھ) نے "الاختیار فی القراء ات " کے عنوان سے کتاب مدون کی۔ ابو عمرو حفص بن عمر الدوری (۲۴۶ھ)نے "قراء ات النبیﷺ" کے عنوان سے کتاب تصنیف کی۔(۱) ان مذکورہ کتب کے حوالہ سے چند امور پیش نظر رہیں:

۱۔ ان کتب میں مطلق اختلاف لہجات عرب کا ذکر تھا تابعین، تبع تابعین یا دیگر معروف قراء کی طرف قراء ات منسوب نہیں تھیں۔

۲۔ ان کتب کا اساسی مرجع یحیی بن یعمر (۹۰ھ) کی کتاب تھی۔

۳۔ ان کتب میں سے اکثر ناپید ہیں۔

دوسرا مرحلہ:

علماء قراء ات کی طرف منسوب اہم کتب قراء ات

دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوا جب مشہور علماء اور ماہرین قراء ات کی طرف نسبت کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس مصنف نے جتنے مشائخ اور ان کی خدمات اور ان کی طرف منسوب لہجات کا ذکر کیا تو گویا اس نے اتنی قراء ات میں کتاب لکھی اور اس خاص اسلوب میں پہلا نام ابو عبید القاسم بن سلام (۲۲۴ھ) کا ملتا ہے۔ جنہوں نے پچیس قراء کی طرف نسبت کرتے ہوئے کتاب مدون کی اور ابو حاتم السجستانی (۲۴۸ھ) نے بیس قراء کی طرف منسوب اختلاف لہجات کو جمع کیا اور اس کے ساتھ مصاحف عثمانیہ میں پائے جانے والے رسم الخط کے اختلافات کے متعلق بھی کتاب لکھی۔ اس کے بعد احمد بن جبیر بن محمد کوفی (۲۵۸ھ) نے پانچ قراء کی طرف منسوب قراء ات پر کتاب لکھی جس کا نام ہی "کتاب الخمسة" رکھا اور پانچ قراء مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام، کوفہ اور بصرہ کے ہیں۔ جن میں سے ایک ایک قاری کو شہرت اور خدمات کی بنیاد پر منتخب کیا۔ اسماعیل بن اسحاق مالکی (۲۸۲ھ) نے بیس ائمہ قراء ت پر مشتمل کتاب لکھی جن میں وہ سات قراء بھی شامل ہیں جن پر بعد میں ابن مجاہد (۳۲۴ھ) نے کتاب "السبعه" میں اکتفاء کیا۔(۱) اس کے بعد ابو جعفر ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) نے "الجامع" کے عنوان سے کتاب لکھی جس کا حوالہ مکی بن ابی طالب القیسی (۴۳۷ھ) بار بار "الابانة عن معانی القراء ات" میں دیتے ہیں۔ لیکن یہ کتاب مخطوط یا مطبوع کی صورت میں کہیں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ اس کا علم نہیں ہو سکا۔ حاجی خلیفہ (۱۰۶۸ھ) لکھتے ہیں:

"محمد بن جریر الطبری جمع کتابا حافلا سماه "الجامع" فیه نیف و عشرون قراءة"(۲)

یعنی ابن جریر طبری نے ایک جامع کتاب لکھی جس کا نام "الجامع" رکھا اس میں بیس سے زیادہ قراء ات ہیں۔ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) اپنی تفسیر "**جامع البیان عن تاویل آی القرآن**" میں بھی قراء ات کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے بعد ابوبکر عبد اللہ بن سلیمان بن الأشعث السجستانی (۳۱۶ھ) نے "**المصاحف**" کے عنوان سے کتاب لکھی جس میں قراء ات کی تاریخ کے ساتھ مصحف صدیقی، مصاحف عثمانیہ اور دیگر مصاحف صحابہ پر مفصل گفتگو کی ہے۔ اسی طرح ابوبکر احمد بن موسی بن العباس بن مجاہد التمیمی (۳۲۴ھ) نے"**السبعة**"کے عنوان سے کتاب لکھی۔ قراء ات کے پھیلے ہوئے سلسلے کو ازسر نو مرتب کرنے والے اور حضرت عثمانؓ کے منتخب کردہ شہروں سے نامور سات قراء کا انتخاب کرنے والے، وہ لہجات عرب جو قرآن حکیم کی تلاوت میں ملحوظ رکھے گئے تھے ان کا احاطہ کرکے سات قراء میں سمیٹنے والے ابن مجاہد (۳۲۴ھ) ''مجدد قراء ات'' تصور کئے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب "**السبعة**" سے قراء ات سبعہ دنیا میں اس طرح مشہور ہوئیں کہ مشرق و مغرب میں یہی قراء ات متواتر سمجھی جانے لگیں۔ بعد کے ادوار میں قراء ات سبعہ میں شاید ہی کوئی کتاب ہو جس نے ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کی کتاب "**السبعة**" سے استفادہ نہ کیا ہو۔ ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کے بعد ان کے شاگردوں میں بالخصوص حسین بن عبد اللہ ابن خالویہ (۳۷۰ھ)(۳) نے ''**البدیع فی القرا ء ات السبع**'' اور ''**القراء ات**'' کے عنوانات سے کتابیں لکھیں(۴) ابن خالویہ (۳۷۰ھ) نے اس تدوین کے ساتھ ساتھ قراء ات کے باب میں دو نئے عنوانات کا آغاز کیا۔ ایک یہ کہ لغات عرب کی روشنی میں مختلف قراء ات کی توجیہات کا آغاز۔ اس سلسلے میں انہوں نے ''**الحجة فی القراء ات السبع**'' لکھی۔ دوسرا یہ کہ قراء ات شاذہ کی تدوین کا باقاعدہ آغاز کیا اس سلسلے میں انہوں نے "**مختصر من شواذ القرآن**" لکھی- اس لحاظ سے علم قراء ات میں ابن مجاہد کا کثیر الجہتی تعارف کرانے والے ان کے شاگرد ابن خالویہ ہیں۔

تیسرا مرحلہ:

صحت قراء ات کے ضوابط اور قراء ات سبعہ

ضوابط، ضابطہ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ قواعد کلیہ ہیں جن کی اساس پر کسی قراء ت کو پرکھتے ہوئے اس کو صحیح یا غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے۔ ان ضوابط کو ارکان، شرائط اور اصول بھی کہاجاتا ہے۔

صحیح قراء ات کے ضوابط

قطعی طور پر اس کا تعین تو مشکل ہے کہ کس دور میں صحیح قراء ت کو پرکھنے کے لیے ضوابط مقرر کیے گئے تھے اور کس نے سب سے پہلے یہ کام کیا؟ البتہ تاریخی طور پر مختلف تعبیرات یا جملے ایسے ملتے ہیں۔ جن سے ان کا مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے۔

ابن جنی (۳۹۲ھ) نے قراء ت شاذہ کے حوالے سے کہا ہے کہ جو قراء ات ابن مجاہد کی کتاب "السبعة" سے باہر ہیں۔ وہ شاذ ہیں۔(۵)

چونکہ ابن مجاہد کی بیان کردہ قراء ات سبعہ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے مطابق تھیں۔ اس لیے نتیجہ یہ اخذ کیا گیا کہ جو قراء ات قراء سبعہ سے ثابت ہوں اور مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے مطابق ہوں تو وہ قراء ات صحیحہ ہوں گی باقی شاذہ ہوں گی۔ اس کے بعد مکی بن ابی طالب القیسی (۴۳۷ھ) ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کی "السبعة" ابن جنی (۳۹۲ھ) کی المحتسب اور دیگر کتب قراء ات کے تجزیے سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ جتنی قراء ات بھی روایت کی جا رہی ہیں، تین اقسام سے باہر نہیں ہیں۔

۱۔ ایک وہ قسم ہے جو آج پڑھی جا رہی ہے اور یہ وہ قراء ات ہیں جن میں تین امور پائے جا رہے ہوں۔

۱۔ ثقہ راویوں سے نقل ہوتی ہوئی رسول اللہ ﷺ تک پہنچی ہو۔

۲۔ عربی نحو کے مسلمہ اصول و ضوابط کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو۔ جس قراء ت میں یہ تین امور جمع ہوں وہ تلاوت کی جائے گی اور اس کا منکر کافر تصور ہو گا۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جو خبر واحد کے طور پر صحیح السند ہو اور لغت عرب میں اس کی گنجائش ہو لیکن مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے مخالف ہو تو یہ استدلال کے لیے تو مقبول ہو گی لیکن اس کی تلاوت ناجائز ہوگی۔

۳۔ تیسری قسم وہ ہے جو غیر ثقہ لوگوں سے مروی ہو اور لغت عرب میں اس کے استعمال کی گنجائش نہ ہو ۔ یہ قسم چاہے مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے مطابق بھی ہو قابل قبول نہیں ہو گی۔ نیز مکی بن ابی طالب القیسی (۴۳۷ھ) نے اس کو ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) کے قول کی تفصیل قرار دیا ہے اور ان

ضوابط کو بڑی اہمیت دیتے ہیں "الابانة عن معانی القراء ات" میں کئی مقام پر ان کا مختلف انداز سے تذکرہ کرتے ہیں۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"وانما الأصل الذی یعتمد علیه فی هذا أن ماصح سنده واستقام وجهه فی العربیة ووافق لفظه خط المصحف فهومن السبعة المنصوص علیها ولو رواه سبعون ألفا متفرقین أو مجتمعین .فهذا هوالأصل الذی بنی علیه من قبول القراء ات عن سبعة أوسبعة ألاف فاعرفه وابن علیه"(٦)

قراء ات کے باب میں اصل یہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو، لغت عرب میں مستعمل ہو اور خط مصحف عثمانی کے مطابق ہو تو حدیث کی نص میں مذکور یہی وہ سبعہ ہیں چاہے اس کو ستر ہزار افراد نے انفرادی یا اجتماعی طور پر روایت کیا ہو اور یہی وہ اصل اور ضابطہ ہے جس پر قراء ۃ کی قبولیت کا دار و مدار ہے چاہے وہ سات سے منقول ہو یا سات ہزار سے اسی کو پہچانو اور اسی پر آگے بڑھو۔

پہلا ضابطہ: متواتر ہو۔

با یں ہمہ مکی بن ابی طالب القیسی (۴۳۷ھ) کی کسی تحریر میں تواتر کا ذکر نہیں ہے بلکہ صحت اور اتصال سند کو ہی اصل قرار دیتے ہیں۔ امام غزالی (۵۰۵ھ) نے صحت سند یا اتصال سند کی جگہ تواتر کی شرط لگا دی اور اس پر عقلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ ایک ایسی کتاب جس کو اللہ تعالی نے کائنات کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہو اور وہ اس حد تک معجز ہو کہ سارے انس و جن اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں تو یہ محال ہے کہ وہ متواتر نہ ہو۔ لہذاجو متواتر نہ ہو وہ قرآ ن ہی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

"العادة تقتضی بأن مثل هذا الکتب الذی یکون هادیا للخلق معجزا علی وجه لواجتمعت الانس والجن علی أن یأتوا بسورة من مثله لم یقدروا علیه فما کان حاله کذٰلک یمتنع ألا یتواتر اذ الدواعی تتواتر علی نقله الی أن یصیر شائعا مستفیضا متواترا فما لم یبلغ حدالتواتر یقطع بأنه لیس من القرآن"(۷)

(ایسی کتاب جو مخلوقات کے لیے سرچشمہ ہدایت ہو تو لازمی ہے کہ وہ ایک ایسا معجزہ ہو کہ سارے جن و انس مل کر بھی اس جیسی کوئی سورت نہ لاسکیں۔ چاہے وہ کوئی مختصر ترین سورت ہی کیوں نہ ہو اور یہ بھی لازمی ہے کہ وہ کتاب تواتر سے ثابت شدہ ہو اور تواتر اس چیز کا متقاضی ہے کہ وہ بات مشہور اور زبان زد عام ہو۔ اگر کوئی آیت تواتر کی حد

کو نہیں پہنچتی تو پھر وہ یقیناً قرآن میں سے نہیں)

اس تواتر کے قول کا السخاوی (علی بن محمد ۶۴۳ھ) النویری (محمد بن ابی القاسم ۸۵۷ھ) اور الصفاقسی (علی بن محمد النوری الصفاقسی ۱۱۱۷ھ) نے خوب پر چار کیا۔

محمد بن ابی القاسم النویری (۸۵۷ھ) فرماتے ہیں:

"عدم اشتراط التواتر فی ثبوت القرآن الکریم قول حادث مخالف لاجماع الفقهاء والمحد ثین وغیر هم ولم یخالف من المتأخرین الامکی وتبعه بعض المتاخرین"(۸)

قرآن حکیم کے معاملے میں تواتر کی شرط نہ لگانا ایک نئی بات ہے۔ فقہاء اور محدثین کے اجماع کے خلاف ہے اور مکی بن ابی طالب القیسی (۴۳۷ھ) اور چند متاخرین کے علاوہ اس کا کوئی بھی مخالف نہیں۔ اسی طرح علی النوری الصفاقسی (۱۱۱۷ھ) نے بھی ایسے لوگوں پر سخت رد کی ہے جو صحت سند پر اکتفاء کرتے ہیں۔(۹)

ابن الجزری (۸۳۳ھ) کے ہاں دونوں آراء ملتی ہیں۔ منجد المقرئین میں تو وہ تواتر پر ہی زور دیتے ہیں ۔لیکن اس کے بعد صحت سند پر اکتفاء کے قائل ہو گئے تھے فرماتے ہیں: "**ولقد کنت قبل أجنح الی هذ االقول ثم ظهر لی فساده**"(۱۰) اس سے پہلے میں خود بھی تواتر کے قول کی طرف مائل تھا لیکن پھر اس کا فاسد ہونا مجھ پر عیاں ہوا ۔اور ساتھ ہی اس فساد کے دو اسباب بیان کرتے ہیں:

پہلا سبب: "**ان التواتر اذا ثبت لایحتاج فیه الی الرکنین الأخیرین من الرسم وغیره اذ ما ثبت من أحرف الخلاف متواترا عن النبی ﷺاوجب قبوله وقطع بکونه قرآنا سواء وافق الرسم أم خالفه**" جب تواتر ثابت ہو گیا تو پھر دوسرے دو ارکان یعنی موافقت مصحف اور لغت عربی کی شرط کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ جو چیز رسول اللہ ﷺ سے تواتر سے ثابت ہو گئی اس کا قبول کرنا واجب اور اس کا قرآن ہونا یقینی ہے چاہے مصاحف عثمانیہ کے موافق ہو یا مخالف ہو۔

دوسرا سبب: "**لو اشتر طنا التواتر فی کل فرد من أحرف الخلاف انتفی کثیر من القراء ات الثابتة عن هؤلا ء الأئمة السبعة وغیر هم**"(۱۱) یعنی اگر ہر ہر قراء ت کیلئے ہم تواتر کی شرط لگا دیں تو پھر اس وقت قراء سبعہ وغیرہ سے منقول بہت ساری قراء ات کی بھی نفی ہو جائے گی۔ لہذا ابن الجزری (۸۳۳ھ) کی آخری رائے صحت سند کی ہی ہے اس کو وضاحت کے ساتھ منظوم شکل میں بھی پیش کیا ہے فرماتے ہیں:

"فكلما وافق وجه نحوى وكان للرسم احتمالا يحوى وصح الاسناد هوالقرآن فهذه الثلاثة الأركان وحيثما يختل ركن أثبت شذوذه لو أنه فى السبعة" (۱۲)
(ہر وہ کلمہ جو قواعد نحویہ کے مطابق ہو اور رسم عثمانی میں اس کا احتمال ہو اور اس کی سند بھی صحیح ہو تو وہ قرآن کی متواتر قراء ت ہونے کی وجہ سے قرآن کا حصہ ہوگی اور یہی تین ارکان کسی آیت کو قرآن کا حصہ ثابت کرتے ہیں۔ ان میں سے اگر ایک رکن (شرط) بھی کم ہو تو اس کا شاذ ہونا ثابت ہو جاتا ہے، چاہے وہ قراء ات سبعہ ہی میں کیوں نہ ہو)

علامہ محمد طاہر بن عاشور (۱۹۷۳ء) نے دونوں آراء کے درمیان تطبیق پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں: اگر کوئی قرا ء ت تواتر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہو تو اس میں کسی دوسری شرط کی ضرورت ہی نہیں اور اگر ایک قراء ت صرف صحیح السند ہو اور تواتر کے درجے تک نہ پہنچ رہی ہو تو اس میں دیگر دو شروط کا لحاظ بھی رکھا جائے گا۔(۱۳)

قراء ات کے حوالے سے یہی بات موزوں معلوم ہوتی ہے کہ اس میں مطلقاً تواتر شرط قرار نہ دیا جائے۔ النویری (۸۵۷ھ) کی رائے پر تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں خلط فی المبحث ہے۔ ایک تو یہ کہ امام غزالی (۵۰۵ھ) کے جس قول کو بنیاد بنا کر وہ قراء ات کے تواتر پر زور دیتے ہیں وہ مطلق قرآن حکیم کے متعلق ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ قرآن حکیم سارا متواتر ہی ہے۔ جبکہ قراء ات قرآنیہ قرآن حکیم کی مختلف وجوہ اداء کا نام ہے۔ اس کا حکم خود متن قرآن سے مختلف ہے۔ امام غزالی (۵۰۵ھ) کا یہ جملہ قابل غور ہے: **"فمالم يبلغ حد التواتر يقطع بانه ليس من القرآن "** اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ گویا امام غزالی نے یہاں قرآن کے متعلق بات کی ہے قراء ات قرآنیہ کے متعلق نہیں کی۔

دوسرا یہ ہے کہ النویری نے صحت سند کے قول کو فقہاء اور محدثین کے اجماع کے خلاف قرار دیا ہے جبکہ ہر فن کی اپنی مصطلحات اور ان کا مفہوم ہوتا ہے۔ چنانچہ فقہاء اور محدثین کے ہاں جو تواتر کا مفہوم ہے وہ یقیناً قراء کے تواتر سے مختلف ہے۔ فقہاء اور محدثین کے پیش نظر رجال کی جرح و تعدیل ہوتی ہے اور جرح و تعدیل کی اصطلاحات دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ظہور پذیر ہوئیں۔ ایک محدث کے درمیان اور رسول اللہؐ کے درمیان متعدد واسطے تھے ان واسطوں میں مختلف خصلتوں کے لوگ بھی تھے ۔ضروری تھا کہ متواتر حدیث کے لیے ایک معقول اجتماع کو لازمی قرار دیا

جائے جس کا جھوٹ پر جمع ہونا ناممکن ہو۔ لہذا متواتر کی تعریف ہی یہ کی گئی "**مارواہ جمع عن جمع لایمکن توافقھم علی الکذب عادۃ**"(۱۴) اور یہ تواتر اسناد کہلاتا ہے جبکہ قراء ات قرآنیہ کے تواتر کو تواتر طبقہ کہا جاتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۹۴۹ء) فرماتے ہیں:

"**ھذاالتواتر یسمی تواتر الطبقۃ لأنہ تلقاہ الکافۃ عن الکافۃ طبقۃ عن طبقۃ ولا یحتاج الی اسناد یکون عن فلان عن فلان بل ھو شیئ ینقلہ أھل المشرق والمغرب عن أمثالھم جیلا جیلا، لا یختلف فیہ مؤمن ولا کافر منصف غیر معاند للمشاھدۃ**"(۱۵)

(متواتر کی اس قسم کو "تواتر الطبقہ" کہا جاتا ہے کیوں کہ اس میں عوام الناس کا ایک گروہ دوسرے گروہ سے روایت بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے لیے کسی سند کا ہونا یا اس روایت کو ایک فرد کی جانب منسوب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ "فلاں نے فلاں سے روایت کی ہے" بلکہ اس میں خطہ ارضی کے مشرق و مغرب سے لوگوں کا ایک ہجوم اپنے سے پہلے والے لوگوں سے روایت نقل کر رہا ہوتا ہے۔ (نسل در نسل یہ روایت چلی آ رہی ہوتی ہے)۔ اس میں تو کوئی کافر و مومن اختلاف نہیں کر سکتا۔ اگر وہ حق بات کو حق کہنے والا ہو اور مشاہدات کو تسلیم کرنے والا ہو)

قراء ات قرآنیہ میں معروف قراء کرام اور رسول اللہؐ کے درمیان صحابہ کرامؓ اور زیادہ سے زیادہ تابعین کا واسطہ ہے اور صحابہ و تابعین میں نسل در نسل اس علم کے محافظ تھے اس سے ابن الجزری (۸۳۳ھ) کی رائے کا وزن معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مقام پر صحت سند بھی قوت کے اعتبار سے محدثین کے متواتر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔

دوسرا ضابطہ: عربی نحو کے مسلمہ اصول و ضوابط کے خلاف نہ ہو

علماء نحو کی قلت و کثرت اور ان کا اختلاف و اتفاق اس پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ جیسے آیت ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامِ﴾ [النساء: ۱] میں سوائے امام حمزہ کے باقی قراء نے **والارحام** کو منصوب پڑھا ہے اور اس کا عطف **اللہ** پر ہے۔ جبکہ امام حمزہ نے مجرور پڑھا ہے اور اس کا عطف **بہ** کی ھاء ضمیر پر ہے۔(۱۶)

علماء نحو کے ہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ عطف الظاہر علی الضمیر جائز ہے یا نہیں۔ اہل کوفہ کے ہاں جائز ہے لیکن بصریوں کے ہاں بغیر اعادہ جار کے جائز نہیں ہے اور جمہور کی رائے بصریوں کے ساتھ ہی ہے اس کے مقابلے میں کوفیین کی رائے مرجوح ہے لیکن یہ قراء ت صحیح السند ہونے کی

وجہ سے مقبول ہے اور نحویوں کے باہمی اختلاف کو اس میں دخل نہیں ہے۔(۱۷)

تیسرا ضابطہ: مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط میں اس کی گنجائش موجود ہو

یعنی وہ مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے موافق ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جب متعدد نسخے (مصاحف) تیار کروائے تو جو قراء ات ایک ہی رسم الخط پر منطبق ہو سکتی تھیں وہاں تمام مصاحف میں ایک ہی رسم کے ساتھ لکھا جیسے ﴿فَتَبَيَّنُوْا﴾ [النساء: ۹۴] اس کلمہ کو نقاط اور حرکات سے خالی کر دیا جائے جیسے عرب کے ہاں رائج تھا تو یہی رسم الخط فتثبتوا کو بھی شامل ہو جاتا ہے اور یہ امام حمزہؒ اور کسائیؒ کی قراء ت ہے(۱۸) لیکن جہاں ایک رسم متعدد قراء ات کو شامل نہ ہو سکتی تھی وہاں مصاحف میں قراء ات کا لحاظ رکھا۔ جیسے ﴿وَوَصّٰى بِهَا اِبْرَاهِيْمُ﴾ [البقرۃ ۱۳۲] میں واوصی پڑھا گیا ہے جس میں ہمزہ کا اضافہ ہے۔ اس کو حضرت عثمانؓ نے مصحف مدنی اور شامی میں ہمزہ کے ساتھ لکھ دیا اور باقیوں میں بغیر ہمزہ کے لکھا۔ یہی امام نافع اور امام ابن عامر شامی کی قراء ت ہے۔ اسی طرح ﴿تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ﴾ [التوبۃ: ۱۰۰] میں جمہور قراء من جارہ کے حذف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جبکہ ابن کثیر مکیؒ من جارہ کے اثبات سے پڑھتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے ارسال کردہ مصحف مکی میں من جارہ کا اضافہ موجود ہے جبکہ دوسرے مصاحف میں نہیں ہے اس طرح دونوں قراء تیں رسم مصحف عثمانی کے مطابق قرار پائیں (۱۹) اس موافقت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ موافقت صریحہ: جیسے قراء ت ہو ویسی ہی لکھی ہوئی ہو۔

۲۔ موافقت تقدیریہ: ایک قراء ت اصل کلمہ کی اساس پر ہو اور دوسری قراء ت ظاہر رسم پر ہو جیسے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ [الفاتحۃ:۵] میں تمام قراء نے الصراط صاد کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ ابن کثیر کی قراء ت میں بروایت قنبل السراط سین کے ساتھ ہے(۲۰) جو بظاہر مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ کسی مصحف میں سین نہیں ہے۔ دراصل یہ کلمہ لغت عرب میں سین کے ساتھ ہے سرط سے مشتق ہے جس کا معنی نگلنا ہے گویا راستے پر چلنے والا آدمی بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے جیسے راستے نے اس کو نگل لیا ہو لہذا راستے کو سراط کہا گیا(۲۱) را، الف اور طاء تمام کے مفخم ہونے کی وجہ سے سین مرققہ کی ادائیگی میں ثقل کی وجہ سے اس کو مفخم حرف یعنی صاد سے تبدیل کر دیا تاکہ ادائیگی میں سہولت ہو جبکہ دونوں کا مخرج بھی ایک ہے۔ لہذا سین والی قراء ات کی موافقت تقدیریہ ہوئی۔ یعنی اصل کلمہ کی بنیاد پر ہوئی اور صاد والی قراء ات موافقت صریحہ پر مبنی ہوئی

خلاصہ یہ ہے کہ قراء ات صحیحہ کی تین شرائط ہیں:

۱۔ سند کے اعتبار سے صحیح ہو۔
۲۔ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط میں اس کی گنجائش موجود ہو۔
۳۔ عربیت کے مسلمہ قواعد کے خلاف نہ ہو تو وہ قراء ت صحیحہ ہے ورنہ شاذ ہے۔

چوتھا مرحلہ: ابن مجاہد(۳۲۴ھ) کی "السبعۃ" کی اساس پر قراءات سبعہ کی تدوین

تیسرے مرحلے میں مذکورہ شرائط صحت قراءت کے تناظر میں ہی کتب قراءت کی چھان بین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کے بعد متعدد علماء نے قراءات میں کئی ایک کتب لکھیں لیکن ان میں شاید وہ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ترتیب نہیں تھی جو ابن مجاہد کی "السبعۃ" میں تھی۔ اس لیے ان کتب کی طرف التفات کم نظر آتا ہے۔ ان دیگر کتب میں ابن مہران ابوبکر احمد بن الحسین الاصبھانی (۳۸۱ھ) کی الغایۃ فی القراءات العشر،المبسوط فی القراءات العشر اور ابو الحسن طاہر بن عبدالمنعم بن عبیداللہ بن غلبون الحلبی(۳۹۹ھ) کی التذکرۃ فی القراءات الثمان ہیں۔ لیکن ابن مجاہد(۳۲۴ھ) کے تلامذہ میں سے خصوصاً ابن خالویہ (۳۷۰ھ) نے تمام تر توجہ قراءات سبعہ پر ہی مرکوز رکھی اور ساتھ جہاں قراءات شاذہ کی تدوین کا کام شروع کیا وہاں قراءات سبعہ کی تائید کے لیے قواعد لغت سے استدلال پر مستقل تصانیف کا آغاز کیا اور "الحجۃ فی القراءات السبع" لکھی۔ اسی کے تتمہ کے طور پر مکی بن ابی طالب القیسی (۴۳۷ھ) نے "الکشف عن وجوہ القراءات السبع وعللھا وحججھا" اور مکی نے اس کے ساتھ پہلی دفعہ تاریخ قراءات، سبعہ احرف کا مفہوم، شرائط قراءات وغیرہ پر "الابانۃ عن معانی القراءات" لکھی۔ اسی طرح ابن مجاہد کی "السبعۃ" کی ہی طرز پر ابو عمر عثمان بن سعید الدانی (۴۴۴ھ) نے "التیسیر فی القراءات السبع" اور "جامع البیان فی القراءات السبع" لکھی۔

ان کے بعد ابوجعفر احمد بن علی بن احمد بن خلف الانصاری المعروف ابن الباذش (۵۴۰ھ) نے الدانی (۴۴۴ھ) کی کتاب کی تنقیح و تتمہ کے طور پر "الاقناع فی القراءات السبع" لکھی۔ الدانی (۴۴۴ھ) کی "التیسیر" میں اس وقت جان پڑ گئی جب امام القاسم بن فیرہ الشاطبی (۵۹۰ھ) نے اس کے مسائل کو ۱۱۷۳ شعروں میں منظوم کیا اور اس کا نام"حرز الأمانی ووجہ التھانی فی القراءات السبع" رکھا اور ایسی شہرت ہوئی کہ آج تک قراءات کے افق پر چھائی ہوئی ہے۔ اصل نام کی بجائے قصیدہ شاطبیہ یا قصیدہ لامیہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

شرق و غرب میں قراءات کا طالبعلم اس سے مستغنی نہیں ہے، اس اعتبار سے وہ اپنی اصل

"التیسیر" پر بھی حاوی ہو گئی ہے۔ علامہ شاطبیؒ نے التیسیر پر کچھ ابواب اور ضروری فوائد کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اپنے قصیدے کے متعلق فرماتے ہیں:

"وفی یسرها التیسیر رمت اختصاره فاجنت بعون الله منه مؤملا"

اس قصیدے کے آسان معانی میں، میں نے کتاب تیسیر کے اختصار کا ارادہ کیا پس اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس قصیدے نے اس کتاب سے اپنی آرزو کا پھل حاصل کر لیا۔ نیز التیسیر پر اضافی فوائد کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وألفا فها زادت بنشر فوائد فلفت حیاء وجهها أن تفضلا" (۲۲)

اس قصیدے کے مضامین بہت سے علمی فوائد میں تیسیر سے بڑھ گئے لیکن ان فوائد نے شرم کی وجہ سے اپنا چہرہ چھپایا ہوا ہے کہ کہیں اس قصیدے کو "التیسیر" پر فضیلت نہ دے دی جائے۔ گویا قراء ات میں بے شمار تصانیف کے ہوتے ہوئے بھی ابن مجاہد کے "السبعة" کے سلسلے کو ایسی شہرت اور مقام ملا ہے جس کا نقطہ عروج علامہ شاطبی (۵۹۰ھ) کی حرز الامانی ہے۔

پانچواں مرحلہ: حرز الامانی کی شروحات کی صورت میں قراء ات سبعہ پر تصانیف

علامہ شاطبیؒ کی "حرز الامانی" کے بعد اس کی شروح کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے ان کے شاگرد علی بن محمد بن عبد الصمد، علم الدین السخاوی (۶۴۳ھ) نے "فتح الوصید فی شرح القصید" کے نام اس کی شرح لکھی۔ ان کے ہم عصر ابوعبداللہ الموصلی، محمد بن احمد الحنبلی (۶۵۶ھ) نے "کنز المعانی فی شرح حرز الامانی" المعروف شرح شعلہ لکھی اور آج تک حرز الامانی کی شروحات کا سلسلہ جاری ہے۔ اکثر مدارس وجامعات میں مشاہدہ کیا گیا ہے کہ حرز الامانی (شاطبیہ) اور اس کی شروح کے علاوہ قراء ات کی کسی کتاب کا تعارف ہی نہیں۔ جن دیگر علما ء کرام نے اس قصیدے کی شرح کی ہے ان میں سے مشہور ترین یہ ہیں:

۱۔ ابو شامہ عبد الرحمٰن بن اسماعیل المقدسی (۶۶۵ھ) شرح کا نام "ابراز المعانی من حرز الامانی" ہے۔

۲۔ الجعبری، ابراہیم بن عمر برهان الدین (۷۳۲ھ) "کنز المعانی شرح حرزالامانی"

۳۔ ابن القاصح، العذری البغدادی، علی بن عثمان (۸۰۱ھ) "سراج القاری المبتدی وتذکار المقرئ المنتهی"

۴۔ السیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر (۹۱۱ھ) "شرح الشاطبیه"

۵۔ ملا علی قاری الھر وی علی بن سلطان (۱۰۱۴ھ) "شرح ملا علی قاری علی متن الشاطبیة"

۶۔ علی محمد الضباع المصر ی (۱۳۷۶ھ) "ارشاد المرید الی مقصود القصید"

۷۔ فتح محمد (اعمی) قاری پانی پتی (۱۴۰۷ھ) "عنایات رحمانی شرح حرزالامانی"

۸۔ اظہار احمد تھانوی قاری (۱۴۱۲ھ) "امانیه شرح شاطبیه"۔ اور یہ تمام شروح مطبوع اور متداول ہیں۔

چھٹا مرحلہ: ابن الجزری کی تحقیق اور قراء ات عشرہ:

ابن مجاہد (۳۲۴ھ) سے لے کر ابن الجزری (۸۳۳ھ) کے دور تک گو متفرق طور پر متعدد قراء ات میں کئی اطراف سے تصانیف کا سلسلہ جاری رہا۔ کہیں قراء ات سبعہ میں تصانیف تو کہیں آٹھ قراء ات میں تصانیف اور کہیں بیس اور پچیس قراء ات میں تصانیف اسی طرح کہیں قواعد نحو کی روشنی میں قراء ات کی توجیہات اور کہیں قراء ات شاذہ کی تدوین و تالیف کا سلسلہ جاری رہا لیکن تصانیف کا ایک مرکزی سلسلہ تھا جس کی اساس ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کی کتاب "السبعۃ" تھی۔ "السبعۃ" کے بعد حرز الامانی (قصیدہ شاطبیہ) نے تو قراء ات کے میدان میں اعتقاد کی حد تک یہ بات راسخ کر دی کہ قراء ات متواترہ صرف سات ہی ہیں باقی شاذہ ہیں۔ متقدمین میں سے عبدالکریم بن محمد الرافعی (۶۲۳ھ) شارح مسلم یحی بن شرف الدین النووی (۶۷۷ھ) اور متأخرین میں ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"وأما ما فوق السبعة من العشرة وهی الثلاثة فعامة العلماء الحنفية وجمهور الفقها ء الشافعية علی أنها شاذة"(۲۳)

شہیدبالا کوٹ شاہ اسماعیل (۱۸۳۱ء) بھی اسی کے قائل ہیں(۲۴) اس کے برعکس ابن الجزری (۸۳۳ھ) نے مذکورہ قراء ات سبعہ کے ساتھ مزید تین قراء ات کا اضافہ کیا اور اپنی ابتدائی دور کی تصنیف منجد المقرئین میں تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی اور متواتر قراء ات عشرہ کو قرار دیا۔ علامہ شاطبی (۵۹۰ھ) کی حرزالامانی کے بعد اپنی تصنیف "الدرة المضیئة فی القراء ات الثلاث" کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا نیز "النشر فی القراء ات العشر" کے عنوان سے مفصل کتاب لکھی پھر اس کی تلخیص کی جس کو "تقریب النشر فی القرا ء ات العشر" کا عنوان دیا اور

پھر النشر کو منظوم میں پیش کیا جس کا نام "طیبة النشر فی القراء ات العشر" ہوا۔

ان مذکورہ کتب میں تین قراء ات کی نسبت جن تین ائمہ کی طرف ہے۔ وہ ابوجعفر یزید بن قعقاع (۱۳۰ھ) یعقوب بن اسحاق البصری (۲۰۵ھ) اور خلف بن ھشام (۲۲۹ھ) ہیں اور اس رائے میں جن شخصیات کا اپنے ہمنوا کے طور پر ذکر کیا ہے وہ چار ہیں اور چاروں مفسر، محدث یا فقیہ ہیں۔ سوائے ابو الحسن الھمدانی (۵۶۹ھ) کے۔علم قراء ات کی درس و تدریس میں ان میں سے کسی کا عمل دخل زیادہ نہیں رہا۔

۱۔ حسین بن مسعود البغوی (۵۱۰ھ) اور ان کے ہاں بھی نو قراء ات کا ذکر ہے خلف کا ذکر نہیں۔
۲۔ ابو العلاء الحسن بن احمد الھمدانی(۵۶۹ھ) ''**الغایة فی القراء ات العشر**" کے عنوان سے کتاب لکھی ہے۔
۳۔ ابوحیان الاندلسی (۷۴۵ھ)
۴۔ عبد الوھاب السبکی(۷۷۱ھ) ان میں سے بھی اصل رائے بغوی کی ہے باقی نے ان کی اتباع کی ہے۔(۲۵)

قراء ات سبعہ کے ساتھ ان تین قراء ات کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین قراء ات مستقل شمار نہیں کی جا سکتیں۔ ان کے اصول وہی ہیں جو قراء ات سبعہ میں موجود ہیں۔ مثلاً ابوجعفر(۱۳۰ھ) کے میم جمع کا صلہ' ھاء ضمیر کا صلہ، قراء سبعہ میں سے امام ابن کثیر کے ہاں متعارف ہے۔ اسی طرح یعقوب بصری (۲۰۵ھ) کے ہاں پایا جانے والا ادغام کبیر' قراء سبعہ میں سے ابو عمرو البصری (۱۵۴ھ) کے ہاں موجود ہے(۲۶) اور دسویں قاری کے طور پر ابن الجزری (۸۳۳ھ) نے خلف بن ھشام (۲۲۹ھ) کا نام متعین کیا جن کے بارے میں خود ابن الجزری کے بیٹے احمد بن محمد بن الجزری (۸۵۹ھ) نے کہا ہے کہ خلف کے لیے قراء سبعہ کے اصول سے باہر کوئی اصول ہے نہ کوئی مفرد کلمہ۔(۲۷)

تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ چند مفرد کلمات کے اختلافات ہیں جو ابوجعفر یزید بن قعقاع (۱۳۰ھ) اور یعقوب (۲۰۵ھ) کے ہاں پائے جاتے ہیں اور جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں جیسے ﴿**وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ**﴾ [النور: ۲۲] کو ابوجعفر نے ﴿**وَلَا يَتَأَلَّ**﴾۔ باب تفعل سے پڑھا ہے۔ اسی طرح یعقوب کے ہاں ﴿**قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ**﴾ [الحجر: ۴۱] کو ﴿**صِرَاطٌ عَلِيٌّ مُسْتَقِيمٌ**﴾ بروزن **فَعِيلٌ** ہے۔(۲۸)

اس لحاظ سے قراء ات متواترہ سات ہی ہیں اور ابو جعفر و یعقوب کی قراء ات ان کے لیے تتمہ کا درجہ رکھتی ہیں(۲۹) نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) قراء سبعہ کو اصل قرار دینے کے بعد فرماتے ہیں: **"بعض العلماء الحقوبهم يعقوب الحضرمي"** گویا نواب صاحب کے ہاں زیادہ سے زیادہ آٹھ قراء ات ہیں۔ چنانچہ مزید فرماتے ہیں **"وأما ما وراء هؤلاء الثمانية..... فقد اتفقوا على شذوذها"(۳۰)**

علم قراء ات کا روایتی پہلو

علم قراء ات کا ایک تاریخی پہلو ہے، جس کا تعلق متن قرآنی اور احرف سبعہ کی روشنی میں وجوہ قراء ات کی حفاظت سے ہے۔ جس پر تذکرہ سابقہ سطور میں گذر چکا ہے۔ دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ قراء ات متواترہ اور شاذہ میں فرق کیا ہے؟ قراء ات کی ہر دو اقسام کی پہچان کیسے ہو گی؟ اس بارے میں اہل علم میں بنیادی اختلاف رائے یہ ہے کہ آیا یہ معاملہ قرآنی روایت کا ہے جس میں اجتہاد یا رائے دینے کا کوئی تصور نہیں ہے یا اس امر کا تعلق علوم القرآن سے ہے جس کے قواعد و ضوابط اجتہادی اور ظنی ہیں اور اس کا تعلق درایت کے ساتھ ہے؟

علماء قراء ات میں سے اکثریت کی رائے یہ ہے کہ قراء ات کا معاملہ توقیفی ہے اس میں کسی قسم کی رائے کا عمل دخل نہیں ہے۔ اس رائے کی تصریح کرنے والوں میں سلیمان بن موسیٰ اموی (۱۱۹ھ) ابن محیصن (۱۲۳ھ) ابو اسحاق الزجاج (۳۱۱ھ) شامل ہیں۔(۳۱)

ابن مجاہد (۳۲۴ھ) فرماتے ہیں: "قراء ت سنت ہے جس کی اتباع لازم ہے ہر بعد میں آنے والا پہلے والے سے لینے کا پابند ہے"(۳۲) مکی بن ابی طالب القیسی (۴۳۷ھ) اسی رائے کو تاکید سے بیان کرتے ہیں(۳۳) علی بن احمد بن حزم ظاہری (۴۵۶ھ) بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۳۴) علامہ شاطبی القاسم بن فیرہ (۵۹۰ھ) فرماتے ہیں:

"ومالقياس فى القراء ة مدخل فدونک مافيه الرضا متكفلا"(۳۵)

قراء ات کے باب میں کسی اجتہاد اور قیاس کو دخل نہیں ہے۔ اس میں اسی کو لے لو جو پسندیدہ طریقے سے ثابت ہے دراں حال کہ تو اپنے آپ کو ذمہ دار ثابت کرنے والا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قراء ات کا علم توقیفی ہے اس میں رائے اور اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ علم رسول اللہؐ اور صحابہؓ سے اسی طرح منقول چلا آ رہا ہے۔ لہذا اس علم میں رائے اور اجتہاد

سے کام لینے والا شخص بدعتی ہے۔(۳۶) اس کے برعکس متکلمین کی اکثریت علم قراء ات میں بھی دوسرے علوم کی طرح اجتہاد اور استنباط کے جواز کی قائل ہے ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ قراء ات کی مختلف اقسام اور ان کا تعین کہ یہ قراء ت متواتر ہے یا مشہور ہے یا شاذ ہے اور اس قراء ت کا تعلق تفسیر سے ہے یا الفاظ سے ہے وغیرہ۔ یہ سارے مسائل مبنی بر اجتہاد ہیں۔ ان میں رائے کی گنجائش موجود رہتی ہے۔

۲۔ قراء ات کی شروط ثلاثہ، جن پر کسی قراء ت کی صحت کو پرکھا جاتاہے۔ یعنی: i۔ صحت سند ii۔ مصاحف عثمانیہ میں کسی مصحف کے مطابق ہونا، iii۔ وجوہ لغت سے باہر نہ ہونا یہ سارے ضوابط اجتہادی ہیں نہ حضورؐ کے دور میں تھے اور نہ صحابہ کرامؓ کے دور میں تھے۔

۳۔ ان قراء ات کی نسبت قراء کی طرف اجتہادی اور ظنی ہے اور یہ نسبت تابعین کے دور میں ظہور پذیر ہوئی۔

۴۔ جمع قرآن کے حوالہ سے صحابہ کرامؓ کی باہم مشاورت اور آخر میں اس پر اجماع بھی اجتہادی مسئلہ ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں دونوں آراء کی تطبیق کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم کا ایک وہ پہلو ہے جس کا تعلق متن قرآنی سے ہے اس میں تو قراء کرام کا اختلاف منقولی ہے نہ کہ اجتہادی۔ جبکہ دوسرا پہلو تاریخ قرآن اور قراء ات کا ہے جن میں قراء ات شاذہ، تفسیریہ اور منسوخہ کو متواترہ سے الگ کرنا شامل ہے۔ اس کا تعلق علوم قراء ات سے ہے اور اس قسم کے سارے مسائل اجتہادی ہیں۔

امام شاطبیؒ کے شعر مذکور کی توجیہ تمام شراح نے یہی کی ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ کسی قراء ت میں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس سے مراد ایسا قیاس ہے جس کی بناء پر کوئی مستقل قاعدہ اپنی رائے سے بنایا جائے اور اس کو قطعی سمجھ لیا جائے یا قراء ات متواترہ کے شروط ثلاثہ کی پرواہ کیے بغیر متن قرآنی میں کسی لہجہ یا قراء ت کا اضافہ کرنا، اس کی گنجائش نہیں ہے اور یہ اس لیے کہ تورات و انجیل کی طرح قرآن حکیم میں بھی خلط ملط نہ ہو جائے۔(۳۷)

ائمہ قراء ات کا تعارف

۱۔ قراء سبعہ:

گذشتہ سطور میں گذر چکا ہے کہ ابن مجاہد سے پہلے قراء ات منضبط نہیں تھیں۔ ابن مجاہد

(۳۲۴ھ) نے یہ کیا کہ بڑے شہر جہاں حضرت عثمانؓ نے مصاحف بھیجوائے تھے ان شہروں میں سے ایسے ائمہ کا انتخاب کیا جن کی خدمات مسلمہ تھیں۔ مثال کے طور پر امام نافع مدنی نے ستر مشہور تابعین سے استفادہ کیا اس استفادہ اور ملازمت شیخ، نیز ان کی تدریسی خدمات نے ان کو دنیا میں متعارف کروا دیا۔ خود امام نافع کا بیان ہے کہ جس قراء ت پر اساتذہ اور مشائخ کی کثرت دیکھی تو اس کو میں نے اختیار کر لیا(۳۸) یہی انتخاب کی وجہ باقی قراء کی بھی ہے۔ امام شاطبی القاسم بن فیرہ (۵۹۰ھ) نے حرز الامانی میں ان قراء کے انتخاب کی وجہ ذکر کی ہے فرماتے ہیں:

"تخیرھم نقادھم کل بارع ولیس علی قرآنہ متاکلا "(۳۹)

امت کے بڑے ناقدین اور علم الجرح و التعدیل کے ماہرین نے نسبت کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کیا ہے جو تقوی کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے اور قرآن مجید کو انہوں نے ذریعہ کسب مال نہیں بنایا تھا۔ ابو عمرو الدانی (۴۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ قراء کی طرف نسبت اختیاری ہے اور یہ نسبت اختیاری، الزام، اہتمام اور دوام کی بنیاد پر ہے۔ کسی اختراع کی بنیاد پر نہیں ہے۔(۴۰) آئندہ سطور میں ان قراء کا تعارف پیش کیا جائے گا جن کی طرف قراء ات سبعہ کی نسبت ہے۔

۱۔ امام عبداللہ بن عامر الشامی(۰۸ھ-۱۱۸ھ)

نام عبداللہ بن عامر بن یزید بن تمیم بن ربیعہ بن عامر الیحصبی ہے۔ مشہور کنیت ابو عمران ہے۔ دراز قد اور لمبی داڑھی تھی۔ معمولی لنگڑا کر چلتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے۔ جب عمر دو سال تھی تو رسول اللہ ﷺ دنیا سے وصال فرما گئے۔ ولید بن عبدالملک کے عہد کے قاضی دمشق اور عمر بن عبد العزیز کے دور کے خطیب دمشق رہے ۔ابن عامر کے شیوخ میں حضرت ابوالدرداءؓ حضرت مغیرہ بن شہاب المخزومی (جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے شام کے لیے نامزد قاری مبعوث کیے گئے تھے) حضرت فضالہ بن عبید انصاری(۵۸ھ) واثلہ بن الاسقع اللیثی (۸۵ھ) رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ان کا سماع رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ علاوہ ازیں خود حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہ بن سفیانؓ اور حضرت نعمان بن بشیر(۶۵ھ) سے ابن عامر شامی کا سماع ثابت ہے اور یہ تمام حضرات رسول ﷺ کے فیض یافتہ ہیں۔(۴۱) اور لاکھوں شاگردوں میں سے ان کے راوی عبد اللہ بن ذکوان (۲۴۲ھ) اور ھشام بن عمار (۲۴۶ھ) ہیں۔

۲۔ امام ابن کثیر مکیؒ (۴۵ھ-۱۲۰ھ)

عبداللہ بن کثیر بن عمر و بن عبداللہ مکی داری فارسی الاصل ہیں۔ تابعین کے دوسرے طبقے کے لوگوں

میں سے ہیں، عطار تھے۔ بحرین میں ہندوستان کی برآمد شدہ عطر کا کاروبار کرتے تھے۔ بحرین کا شہر دارین عطر کی تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ اسی نسبت سے داری مشہور ہوئے۔ اس نسبت کی ایک وجہ اور بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت تمیم داریؓ کے قبیلے بنودار سے تعلق تھا۔ اس لیے داری کہلائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنے دار یعنی گھر میں جو کچھ ہوتا فورا خرچ کر دیتے تھے۔ خالی گھر کی وجہ سے داری مشہور ہوئے۔ پہلی توجیہ کو ابن الجزری نے راجح قرار دیا ہے۔(۴۲) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (۷۳ھ) حضرت ابو ایوب انصاری(۸۱ھ) حضرت انس بن مالکؓ سے ملاقات ثابت ہے۔ ابن کثیر مکی کے خصوصی اساتذہ میں عبداللہ بن السائب المخزومیؓ(۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خصوصی شاگرد مجاہدبن جبرالمکی (۱۰۴ھ) اور حضرت ابن عباسؓ کے غلام درباس قابل ذکر ہیں۔

ان حضرات نے حضرت ابن عباسؓ سے انہوں نے ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ سے انہوں نے رسول ﷺ سے قرآن حکیم پڑھا۔ تلامذہ میں اپنا بیٹا صدقہ بن عبد اللہ، حماد بن زید(۱۶۹ھ) حماد بن سلمہ(۱۶۷ھ) خلیل بن احمد(۱۷۰ھ) ابوعمرو بن العلاء البصری، سفیان بن عیینہ(۱۹۸ھ) مشہور ہیں۔ ابن کثیر مکیؒ کے وہ راوی جو ان کی قراء ات کے سلسلے میں سند تصور کیے جاتے ہیں، شبل بن عباد(۱۶۰ھ) اور اسماعیل بن عبداللہ القسط (۱۷۰ھ) ہیں۔ جن سے یہ فیض عکرمہ بن سلیمان (۲۰۰ھ) بواسطہ ابو الاخریط(۱۹۰ھ) ابوالحسن القواس(۲۴۵ھ) کی طرف منتقل ہوا۔ پھر عکرمہ کے شاگرد احمد البزی (۲۵۰ھ) اور القواس کے شاگرد محمد بن عبد الرحمٰن قنبل (۲۹۱ھ) ہیں۔ آخرالذکر دو حضرات کے ذریعے آپ کی قراء ت پھیلی۔

۳۔ امام عاصم بن ابی النجودؒ (وفات-۱۲۷ھ)

مکمل نام عاصم بن بھدلۃ ابن ابی النجود کوفی اسدی، ابوبکر کنیت ہے۔ مشہور ہے کہ بھدلۃ والدہ کا نام ہے اور ابو النجود، والد کا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو النجود کا نام عبداللہ ہے۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی(۷۴ھ) کے بعد کوفہ کے بلند پایہ عالم ہوئے ہیں۔ فصاحت و بلاغت، ضبط و تحریر اور تجوید میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ شیوخ میں ابو عبد الرحمٰن حبیب السلمی، ابو مریم زر بن حبیش الاسدی (۷۲ھ) اور حضرت انس بن مالکؓ زیادہ مشہور ہیں۔

ان مشائخ نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے پڑھا اور انہوں نے رسول ﷺ سے قرآن حکیم پڑھا۔ تلامذہ میں بے شمار لوگ ہیں۔ جن میں حماد بن سلمہ، سلیمان بن مہران اعمش، ابوبکر شعبہ بن عیاش (۱۹۳ھ) اور ابو عمرو

حفص بن سلیمان بن المغیر ۃ (۱۸۰ھ) انتہائی نمایاں ہیں۔

آخرالذکر دو حضرات سے ہی ان کی روایت چلی ہے۔ گویا یہی دو حضرات، راوی اور بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ وفات کے وقت آیت: ﴿ ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَق﴾ [الانعام: ۶۲] ترجمہ: پھر پہنچائے جاویں گے اللہ کی طرف جو مالک ان کا ہے سچا۔ کا ورد کر رہے تھے۔(۴۳)

۴۔ امام ابو عمرو بن العلاء البصر ی (۷۰ھ-۱۵۴ھ)

ابو عمرو کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ اصل نام کیا ہے اس میں وسیع اختلاف ہے۔ ۱: زبان، ۲: ربان .راء اور باء کے ساتھ۔ ۳: ریان .راء اور یاء کے ساتھ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ۴: ابو عمرو کنیت ہی کو نام بتایا گیا ہے۔ اسی طرح بنو عنبر میں سے ہیں یا بنو حنیفہ میں سے، ایک رائے فارسی الاصل ہونے کی بھی ہے۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) کے ہاں یہی راجح ہے۔ نحو کے بہت بڑے امام، زاھد، عابد، سیبویہ(۱۸۰ھ) عبد اللہ بن مبارک(۱۸۱ھ) کے شیخ اور امام نافع، عبداللہ بن کثیر، عاصم بن ابی النجو د، اور ابو جعفر کے تلامذہ میں سے ہیں۔ مجاہد، سعید بن جبیر (۹۵ھ) تلامذہ حضرت ابن عباس سے بواسطہ ابی بن کعبؓ، رسول اللہﷺ سے استفادہ کیا۔ ادغام کبیر، اما لہ میں حجت سمجھے جا تے ہیں۔(۴۴)

۵۔ امام حمزۃ بن حبیب الزیاتؒ (۸۰ھ-۱۵۶ھ)

ابو عمارۃ حمزۃ بن حبیب بن عمارۃ بن اسماعیل الزیات، الکوفی، التیمی، زیات سے مشہور ہیں اس لیے کہ عراق سے حلوان، بلادالشام کی طرف تیل کا کاروبار کرتے تھے۔ اسی طرح اخروٹ عراق سے لے کر کوفہ میں فروخت کرتے تھے۔ اپنے زمانے کے بڑے مشائخ سے استفادہ کیا۔ جن میں ابو حمزہ حمران بن اعین (۱۳۰ھ) ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی (۱۳۲ھ) محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی (۱۴۸ھ) ابو محمد طلحہ بن مصرف (۱۱۲ھ) ابو عبداللہ جعفر الصادق (۱۴۸ھ) اور سلیمان بن مہران اعمش قابل ذکر ہیں۔ ابو جعفر منصور (۲۳۶ھ) کی خلافت میں ۱۵۶ھ کو وفات پائی۔ امام حمزہؒ کے تلامذۃ کی تعداد تو بہت زیادہ ہے لیکن مشہور یہ ہیں:

۱۔ ابراہیم بن ادھم (۱۶۱ھ)
۲۔ سلیم بن عیسی بن سلیم (۱۸۹ھ)
۳۔ سفیان الثوری (۱۶۱ھ)
۴۔ علی الکسائی
۵۔ یحیی بن زیاد الفراء (۲۰۷ھ)

۶۔ یحیی بن المبارک بن المغیر ۃ (۲۰۲ھ)

امام حمزہؒ، امام عاصم و اعمش کے بعد کوفہ کے سب سے بڑے مقری ہوئے۔ قناعت امام حمزہؒ کا خصوصی وصف تھا۔ علم القراء ات، علم الفرائض، علم اللغۃ، علم حدیث وتفسیر کے ماہر تھے۔ امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کا بیان ہے کہ امام حمزۃ قرآن مجید کے علوم اور علم الفرائض میں تمام دنیا کے اہل علم پر حاوی ہیں۔ امام حمزۃ کے شیخ، امام جعفر الصادق کی سند کا سلسلہ بواسطہ ابو جعفر محمد الباقر (۱۱۸ھ) علی زین العابدین، حضرت حسین بن علیؓ، حضرت علیؓ، رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح اعمش کی سند بواسطہ علقمہ النخعی (۶۲ھ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ تک سلسلہ پہنچتا ہے اور ابن ابی لیلی کی سند، بواسطہ منھال بن عمرو، سعید بن جبیر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم، نبی اکرم ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح امام حمزۃ بواسطہ حمران بن اعین اور ابوالاسود الدولی (۶۹ھ) حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، رسول اللہ ﷺ کے شاگرد ہیں۔ ان کی قراء ت، خلف بن ہشام (۲۲۹ھ)(۴۵) اور خلاد بن خالد (۲۳۰ھ) کے واسطے سے مشہور ہوئی۔

۶۔ امام نافع مدنی (۷۰ھ-۱۶۹ یا ۱۷۰ھ)

نام نافع بن عبد الرحمٰن بن ابی نعیم مدنی ہے۔ مشہور قول کے مطابق کنیت ابو رویم ہے۔ اصل تعلق اصفہان (ایران) سے ہے۔ مدینہ کے شیخ القراء، بہت بڑے محدث ہوئے ہیں۔ امام مالک بن انس (۱۷۹ھ) امام دارالہجر ۃ کے استاذ ہیں۔ ساٹھ سال مسلسل مسجد نبوی ﷺ ہی میں نمازیں ادا کیں۔ ان کے راوی اور شاگرد قالون کا بیان ہے کہ میں نے امام نافع سے زیادہ پاکیزہ اخلاق اور خوبصورت قراء ت کرنے والا نہیں دیکھا۔ ستر کبار تابعین سے استفادہ کیا۔ جن میں عبدالرحمٰن بن ھرمز الاعرج مدنی (۱۱۷ھ) ابوجعفر یزید بن قعقاع، شیبہ بن نصاح، مسلم بن جندب الھذلی تابعی (۱۱۰ھ) اور یزید بن رومان (۱۳۰ھ) مشہور ترین ہیں اور یہ پانچوں حضرات حضرت ابو ھریرۃ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عیاش المخزومی (۷۸ھ) رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور یہ اصحاب ثلاثہ حضرت ابی بن کعبؓ کے شاگرد ان خاص ہیں اور حضرت ابی بن کعبؓ حضور ﷺ کے شاگرد اور تلاوت سنانے کے لیے نامزد قاری ہیں۔

امام نافع کے مشہور تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ جن میں سے اسماعیل بن جعفر انصاری مدنی، اسحاق بن محمد بن عبد الرحمٰن مدنی (۲۰۶ھ) سلیمان بن مسلم بن جماز الزھری (۱۷۰ھ) امام مالک بن انس امام دارالہجر ۃ، ابوعمرو بن العلاء البصری، اللیث بن سعد مصری (۱۷۵ھ) قالون عیسی بن

بیناء(۲۲۰ھ) ابو سعید عثمان مصری (۱۹۷ھ) قابل ذکر ہیں اور آخر الذکر دونوں حضرات امام نافع کے مشہور راوی بھی ہیں۔(۴۶)

۷۔ امام علی الکسائی(وفات ۱۸۹ھ)

ابوالحسن علی بن حمزۃ بن عبد اللہ بن بھمن بن فیروز الکوفی، فارسی الاصل، کسائی لقب ہے۔ مشہور نحوی ہیں۔ امام حمزۃ بن حبیب الزیات کے شاگرد ہیں۔ کسائی لقب کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ عربی میں چادر کو کساء کہتے ہیں اور وہ اپنی عام چادرمیں احرام باندھ لیتے تھے اور احرام کھولنے کے بعد اسی کا جبہ بنا کر پہن لیتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بیشتر اوقات چادر اوڑھے رکھتے تھے اور امام حمزۃ جب بھی پڑھنے کے لیے بلاتے تو فرماتے، چادر والے کو بلاؤ۔ اس سے کسائی یعنی چادر والا مشہور ہو گئے۔ تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کا تعلق ''باکسایا'' سے تھا جو بغداد اور واسط کے درمیان علاقہ ہے۔ اس لئے کسائی مشہور ہوئے۔ علامہ شاطبی القاسم بن فیرہ (۵۹۰ھ) کی رائے کے مطابق پہلی وجہ زیادہ راجح ہے۔ فرماتے ہیں:

"واما علی فالکسائی نعتہ لما کان فی الاحرام فیہ تسربلا"(۴۷)

جبکہ دوسری وجہ اس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے کہ ہر وقت وہ چادر میں رہتے ہوں اور امام حمزہ نے ان کو چادر والا کہہ کر پکارا ہو۔ البتہ تیسری وجہ بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ کسائی اور باکسایا میں مطابقت دور کی ہے۔(۴۸) خلیفہ ھارون الرشید (۱۹۳ھ) کے استاد اور ان کے بیٹے امین کے خاص مربی ہیں۔ سیبویہ کے ہم عصر ہیں۔ امام محمد بن حسن الشیبانی جو امام ابوحنیفہؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں، ان کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ دونوں ایک ہی دن فوت ہوئے۔ علم قراء ات میں امام حمزۃ کے اور ابو بکر شعبہ بن عیاش کے شاگرد ہیں۔ اس لیے ان کی سند حضورﷺ تک وہی ہے۔ جو مذکورہ شخصیات کی گذر چکی ہے۔ ایک سند میں امام حمزہ کے استاذ شریک بھی ہیں۔ یعنی محمد بن ابی لیلی سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے۔ علم اللغۃ میں امام النحو، خلیل بن احمد فراہیدی (۱۷۰ھ) کے تلمیذ خاص ہیں۔ ان کے تلامذہ میں ابو عبیدالقاسم بن سلام متوفی (۲۲۴ھ)، قتیبہ بن مہران اصبھانی (۲۰۲ھ) ابن ذکوان، یحیی بن آدم (۲۰۳ھ) خلف بن ھشام، یحیی بن زیاد الفراء مشہور ہیں۔ جبکہ خصوصی شاگرد اور راوی ابوالحارث اللیث اور حفص بن عمرو دوری ہیں۔(۴۹)

۲۔ قراء ثلاثہ

ابن مجاہد (۳۲۴ھ) سے لے کر ابن الجزری (۸۳۳ھ) تک قراء ات سبعہ ہی پڑھی اور

پڑھائی جاتی رہیں۔ پھر ابن الجزری (۸۳۳ھ) نے قراء ات سبعہ کے ساتھ تین قراء اور ان کی قراء ات کا اضافہ کیا اور یہ قراء ات سبعہ کا تتمہ ہیں۔ آئندہ سطور میں ان کے ائمہ کا تعارف ہے۔

۱۔ ابو جعفر المدنی (وفات۔۱۳۰ھ)

یزید بن قعقاع، ابو جعفر مخزومی، مدنی جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہم کے تلامذہ میں سے ہیں۔ بچپن میں حضرت ام سلمہؓ (۶۲ھ) نے برکت کی دعا کی تھی۔ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کیا کرتے تھے۔ امام نافع مدنی، ابو عمرو بن العلاء البصری، عیسیٰ بن وردان اور سلیمان بن مسلم بن جماز کے شیخ ہیں اور آخر الذکر دونوں حضرات ان کے راوی بھی ہیں۔ ۱۳۰ھ میں فوت ہوئے۔(۵۰)

۲۔ یعقوب البصری

ابو محمد یعقوب بن اسحاق بن زید بن عبد اللہ البصری، ابو المنذر سلام بن سلیمان المزنی (۱۷۱ھ) شہاب بن شرنفہ مجاشعی (۱۶۰ھ) ابوتحیی مھدی بن میمون (۱۷۱ھ) کے شاگرد ہیں۔ جبکہ روح بن عبدالمومن، رویس محمد بن المتوکل، ابوحاتم السجستانی، ابو عمر، حفص الدوری کے استاذ ہیں۔ اول الذکر دونوں حضرات امام یعقوب کے راوی ہیں۔ ۲۰۵ھ میں فوت ہوئے۔(۵۱)

۳۔ خلف الکوفی (۱۵۰ھ۔۲۲۹ھ)

امام خلف بن ہشام بن ثعلب بن خلف، دس سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کیا اور سلیم بن عیسی، عبد الرحمٰن بن حماد کے واسطے سے امام حمزہ کے شاگرد ہیں۔ امام حمزہ کی قراء ت کے راوی بھی ہیں اور ابن الجزری (۸۳۳ھ) نے ان کو مستقل قراء ت کے امام کے طور پر بھی ذکر کیا ہے حالانکہ ان کی پوری قراء ت کوفیین (عاصم، حمزہ، کسائی) کے اصول سے باہر نہیں ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ فواد سزگین (مستشرق) تاریخ التراث العربی، مترجم: ڈاکٹر فہمی حجازی، جامعۃ الامام محمد بن سعود ۱۴۰۳ھ : ۱/۲۱۔۲۲، ابن الندیم محمد بن اسحاق (۳۸۵ھ) الفہرست دار المعرفۃ بیروت ۱۹۷۸ء ص۵۳، ۳۰۸، ۳۱۶

۲۔ حاجی خلیفہ (۱۰۶۸ھ) مصطفیٰ بن عبد اللہ، کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون۔ دارالعلوم الحدیثۃ بیروت (س۔ن) : ص ۳۳

۳۔ ابن خالویہ، حسین بن احمد (۳۷۰ھ) ابن مجاہد کے بلند پایہ شاگرد، السیوطی (۹۱۱ھ) بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ، دار المعرفۃ، بیروت (سن طبع مذکور نہیں) ص۲۳۱

۴۔ فواد سزگین، تاریخ التراث العربی: ۱/۳۶، ابن الجزری (۸۳۳ھ) النشر فی القرا ء ات العشر، دار الفکر، بیروت (سن طبع مذکور نہیں): ۱/۳۴

۵۔ ابن جنی (۳۹۲ھ) المحتسب فی تبیین وجوہ شواذ القراء ات والأیضاح عنہا، تحقیق علی النجدی ناصف، دار سزگین للطباعۃ ۱۴۰۶ھ: ۱/۳۲

۶۔ القیسی (۴۳۷ھ) الابانۃ عن معانی القرا ء ات، تحقیق ڈاکٹر عبدالفتاح شلبی، المکتبۃ الفیصلیۃ طبع ثالث ۱۴۰۵ھ: ص۵۷۔۵۹

۷۔ الغزالی (۵۰۵ھ) المستصفی من علم الأصول۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت، طبع دوم ۱۴۰۳ھ: ۱/۱۰۱

۸۔ النویری (۸۵۷ھ) شرح طیبۃ النشر فی القراء ات العشر، تحقیق عبدالفتاح سلیمان ابوسۃالادارۃ العامۃ لاحیاء التراث، القاہرۃ ۱۹۹۳ء : ۱/۱۱۹

۹۔ الصفاقسی (۱۱۱۷ھ) علی النوری غیث النفع فی القرا ء ات السبع، مکتبہ مصطفی البابی مصر، ۱۹۴۵ء: ص ۱۷

۱۰۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) منجد المقرئین: ص ۵۷ (اور یہ زمانہ طالب علمی کی لکھی ہوئی تصنیف ہے) ابن الجزری (۸۳۳ھ) النشر: ۱/۱۳

۱۱۔ نفس المصدر

۱۲۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) طیبۃ النشر فی القراء ات العشر ط. القاہرہ (س، ن) : ص ۲

۱۳۔ ابن عاشور (۱۹۷۳ء) التحریر والتنویر الدار التونسیۃ للنشر ۱۹۸۴ء : ۱/۵۳

۱۴۔ السندی الصغیر، ابوالحسن محمد بن صادق (۱۱۸۷ھ) بہجۃ النظر شرح نخبۃ الفکر تحقیق علامہ غلام مصطفی قاسمی۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد (س۔ن): ص۱۴۔۱۵

۱۵۔ عثمانی، شبیر احمد مولانا (۱۹۴۹ء) فتح الملہم شرح صحیح مسلم، کراچی (س۔ن): ۱/۵۔۶

۱۶۔ الدمیاطی (۱۱۱۷ھ) احمد بن محمد شہاب، اتحاف فضلاء البشر فی القراء ات الاربع عشر، تحقیق انس مہرہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ: ۱/۵۰۱۔۵۰۲

۱۷۔ ابوشامہ (۶۶۵ھ) عبدالرحمٰن بن اسماعیل ابراز المعانی من حرز الامانی، تحقیق ابراہیم عطوہ عوض، دارالکتب العلمیہ، القاہرہ ۱۴۰۲ھ: ص۴

۱۸۔ ابن الجزری(۸۳۳ھ) تقریب النشر فی القراء ات العشر تحقیق علی عبد القدوس الوزیر ط. بیروت البنان طبع اول ۲۰۰۰م : ص۲۴۵

۱۹۔ ابن العاشر الاندلسی عبدالواحد (۱۰۴۰ھ) تنبیہ الخلان علی الاعلان بتکمیل مورد الظمان فی رسم القرآن ط: النظارۃ العلمیۃ تیونس ۱۳۲۵ھ: ص ۳۴۵ اور دیکھئے: الصفاقسی (۱۱۱۷ھ) غیث النفع: ص ۲۳۹

۲۰۔ العکبری عبد اللہ بن الحسین ابو البقاء متوفی ۶۱۶ھ. املاء ما من بہ الرحمن فی وجوہ الاعراب والقراء ات فی جمیع القرآن تحقیق: ابراہیم عطوہ عوض ط. القاہرۃ طبع ثانی ۱۹۶۹ء: ۱/۷

۲۱۔ ڈاکٹر خلیل الجر، المعجم العربی الحدیث مادۃ : سرط: طبع مکتبۃ لاروس پیرس (س۔ن) : ص ۶۵۸

۲۲۔ الشاطبی، القاسم بن فیرہ (۵۹۰ھ) حرز الامانی ووجہ التہانی شعر ۶۸ تصحیح محمد تمیم الزعبی دارالمطبوعات الحدیثۃ طبع اول ۱۴۰۹ھ ایضًا شعر ۶۹

۲۳۔ ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) مقدمہ شرح الشاطبیۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۸ھ : ص ۲

۲۴۔ اسماعیل شہید سید (۱۸۳۱ھ) اصول الفقہ، الصدف پبلشرز کراچی ۱۴۰۷ھ: ص ۱۴

۲۵۔ ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) مقدمہ شرح الشاطبیۃ مطبع مجتبائی، دھلی، ۱۳۴۸ھ : ص ۲

۲۶۔ علی محمد الضباع (۱۳۷۶ھ) الاضاءۃ فی بیان أصول القراءۃ، المکتبۃ الازھریہ القاہرۃ طبع اول ۱۹۹۹ء: ص۱۰-۲۰

۲۷۔ احمد بن محمد بن الجزری (۸۵۹ھ) شرح طیبۃ النشر فی القراء ات العشر تحقیق علی محمد الضباع القاہرۃ (س۔ن): ص ۱۶

۲۸۔ عبدالفتاح قاضی (۱۹۸۵ھ) البدورالزاہرۃ: ص ۲۲۰ ایضا: ص ۱۷۳

۲۹۔ الحیاوی، محمد بن عوض زاھد مفردات القراء العشرۃ من طریقی الشاطبیہ والدرۃ الریاض طبع اول ۲۰۰۱ء: ص ۱۱۳

۳۰۔ القنوجی (۱۳۰۷ھ) صدیق حسن خان، ابجد العلوم الوشی المرقوم فی بیان احوال العلوم تحقیق عبدالجبار زکار دارالکتب بیروت ۱۹۷۸ء: ۴۹۹/۲

۳۱۔ العسکری، الحسن بن عبداللہ بن سعید (۳۸۲ھ) تصحیفات المحدثین تحقیق محمود احمد المیرۃ۔ القاہرۃ طبع اول ۱۴۰۲ھ: ۶/۱۔ الزجاج (۳۱۱ھ) معانی القرآن واعرابہ، تحقیق عبدالجلیل شلبی بیروت طبع اول ۱۴۰۸ھ: ۴۸۲/۱

۳۲۔ ابن مجاہد (۳۲۴ھ) السبعۃ، تحقیق شوقی ضیف دارالمعارف بیروت طبع دوم (س۔ن): ص ۴۹

۳۳۔ القیسی (۴۳۷ھ) التبصرۃ فی القراءات السبع ، الدارالسلفیۃ، الھند (س۔ن): ص۶۰

۳۴۔ ابن حزم (۴۵۶ھ) مراتب الاجماع فی العبادات والمعاملات والاعتقادات، دارالکتب العلمیۃ، بیروت (س۔ن): ص ۱۷۴

۳۵۔ الشاطبی (۵۹۰ھ) حرز الامانی شعر ۳۵۴

۳۶۔ محمد عبد العلی بن محمد نظام الدین (۱۲۲۵ھ) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مطبعہ امیریہ ۱۳۲۴ھ: ص۱۰۲

۳۷۔ فتح محمد (اعمی) (۱۴۰۷ھ) عنایات رحمانی شرح حرز الامانی، ملتان، طبع دوم ۱۹۸۴ء: ۳۹۰/۱

۳۸۔ ابن مجاہد (۳۲۴ھ) السبعۃ، تحقیق شوقی ضیف، دارالمعارف، بیروت، طبع دوم: ص ۶۲

۳۹۔ الشاطبی (۵۹۰ھ) حرزالامانی شعر ۲۴

۴۰۔ الدانی، ابو عمرو (۴۴۴ھ) الأحرف السبعۃ للقرآن، تحقیق الدکتور عبد المھیمن طحان مکتبۃ المنارۃ مکۃ المکرّمۃ طبع اول۔ ۱۹۸۸ء: ص ۶۱

۴۱۔ محمد الصادق قمحاوی، البحث والا ستقراء فی تراجم القراء، طبع اول، الکلیات الازھریۃ. القاھرۃ (س۔ن): ص۳۰۔۳۳ ایضاً، ابن الجزری (۸۳۳ھ) غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۳۲ء: ۴۲۳/۱

۴۲۔ نفس المصدر

۴۳۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) غایة النهایة: ۱/۳۴۶

۴۴۔ ایضا: ۲/۴۴۳-۴۴۵

۴۵۔ ۱۔ خلف۔ ابو محمد خلف بن هشام بن ثعلب بن خلف المعروف البزاز اسدی بغدادی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ قراء ت کے امام، محدثین کے ہاں ثقہ عبادت و زهد میں ضرب المثل ہیں۔ امام ابن الجزری فرماتے ہیں کہ خلف کا بیان ہے کہ مجھے نحو کا ایک باب مشکل لگا اور میں اس کو نہ سمجھ پایا تو میں نے ۸۰ ہزار درہم اس باب کو سمجھنے کے لئے مختلف اسفار میں ختم کئے۔ یہاں تک کہ وہ باب میں نے یاد کر لیا اور اس کو سمجھ لیا۔ امام حمزہ کے براہ راست شاگرد نہیں ہیں بلکہ بواسطہ سلیم ان کے شاگرد ہیں۔ اور سلیم سے ہی روایت کی ہے۔ جہمیہ کے دور میں روپوش رہے اور اسی حالت میں بغداد کے اندر ان کی وفات ۲۲۹ھ میں ہوئی۔ اما م خلف کے مشہور طرق میں سے طریق ابن عثمان، ابن مقسم، ابن صالح اور مطوعی ہیں۔ ابن الباذش (۵۴۰ھ) الاقناع : ۱/۱۲۶

۲۔خلاد بن خالد الصیر فی امام حمزہؒ کے دوسرے راوی خلاد بن خالد الشیبانی، الصیر فی، الکوفی ہیں۔ امام حمزہ سے بواسطہ سلیم اتصال سند ہے۔ بلا واسطہ شاگرد نہیں ہیں یاد رہے کہ امام حمزہ کے ایک شاگرد خلاد بن خالد احول کوفی بھی ہیں۔ لیکن وہ اور ہیں، وہ ان کے راوی نہیں ہیں۔ ایسے ہی خلاد بن عیسی بھی امام حمزہ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں۔ لیکن ان کے راوی نہیں ہیں۔ خلاد بن خالد راوی امام القراء ات ہیں۔ ۲۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ غایة النهایة ۱/۲۷۴-۲۷۵۔ امام خلاد کے طرق مشہورہ طریق ابن شاذان، ابن الھیثم، الوزان الطلحی ہیں۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) تقریب النشر: ص ۷۹-۸۰

۴۶۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) غایة النهایه:۲/۳۳۰

۴۷۔ الشاطبی (۵۹۰ھ) حرز الامانی شعر ۳۹

۴۸۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) غایة النهایة: ۱/۵۳۹

۴۹۔ الذهبی (۷۴۸ھ) معرفة القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، تحقیق: بشار عواد، مؤسسة الرسالة، بیروت (سن طبع مذکور نہیں) :۱/۱۲۰

۵۰۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) غایة النهایة: ۱/۳۸۲

۵۱۔ الذهبی (۷۴۸ھ) معرفة القراء الکبار: ۱/۱۵۷

☆☆☆☆☆